اکائی 22 پروین شاکر کی غزل گوئی اور متن کی تدریس وتفہیم

ساخت

22.1 اغراض ومقاصد

22.2 تمہید

22.3 پروین شاکر کی غزل گوئی اور متن کی تدریس وتفہیم

22.3.1 پروین شاکر: حیات وخدمات

22.3.2 پروین شاکر کی غزل گوئی

22.3.3 متن کی تدریس وتفہیم

(الف) کو بہ کو پھیل گئی بات شناسائی کی

(ب) گئے موسم میں جو کھلتے تھے گلابوں کی طرح

22.4 آپ نے کیا سیکھا؟

22.5 اپنا امتحان خود لیجیے

22.6 سوالوں کے جوابات

22.7 فرہنگ

22.8 کتب برائے مطالعہ

22.1 اغراض ومقاصد

عزیز طلبا! اس اکائی میں آپ:

- پروین شاکر کے حالاتِ زندگی اور ان کی ادبی خدمات سے متعارف ہوں گے۔
- پروین شاکر کی غزل گوئی کی خصوصیات اور امتیازات سے روشناس ہوں گے۔
- پروین شاکر کی غزل گوئی کے مقام ومرتبہ سے واقف ہوں گے۔
- پروین شاکر کی شامل نصاب دو غزلوں کی قرأت کریں گے۔
- پروین شاکر کی شامل نصاب غزلوں کی تشریحات سمجھیں گے۔

22.2 تمہید

عزیز طلبا! آپ نے پچھلی اکائی میں شہر یار کی غزل گوئی کا مطالعہ کر کے یہ جانا کہ ان کی غزل گوئی اپنی منفرد شناخت کے ساتھ اعلیٰ مقام کی متحمل ہے۔ اب یہ زیر نظر سبق آپ کے کورس کی آخری اکائی ہے۔ یہ اکائی پروین شاکر کی غزل گوئی پر مشتمل ہے۔ جدید غزل گوئی میں پروین شاکر کا نام قابل ذکر ہے۔ یوں تو غزل گوئی کی روایت میں شاعرات کی تخلیقی کاوشیں خال خال ہیں، جس کے بہت سے اسباب ہیں۔ بنیادی اور اہم سبب یہ ہے کہ شاعرات کا کلام بالعموم تخلیقی پختگی اور فنی ہنرمندی کے بجائے سطحی جذبات سے متصف ہوتا ہے۔ لیکن چند

شاعرات مثلاً مہ لقا بائی چندہ، زہرہ نگاہ، بیگم ممتاز مرزا، فہمیدہ ریاض، شفیق فاطمہ شعری، ساجدہ زیدی، ادا جعفری، یاسمین حمید، شبنم شکیل، رابعہ سلطانہ ناشاد، کشور ناہید، سیدہ حنا، پروین شاکر وغیرہ نے اپنے خیالات بلکہ ذاتی مشاہدات و تجربات کو قدرے بہتر تخلیقی سطح سے فنی پختگی کے ساتھ منظر عام کیا ہے۔ اس لیے آپ کے کورس میں بطور نمونہ منفرد شاعرہ پروین شاکر کی غزل گوئی کو شامل نصاب کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس اکائی میں آپ پروین شاکر کی حیات و خدمات، ان کی غزل گوئی اور شامل نصاب دو غزلوں کا تفصیلی مطالعہ مع تشریح و توضیح کریں گے۔

22.3 پروین شاکر کی غزل گوئی اور متن کی تدریس و تفہیم

22.3.1 پروین شاکر: حیات و خدمات

پروین شاکر ۲۴ نومبر ۱۹۵۲ء کو کراچی، پاکستان میں پیدا ہوئی تھیں۔ ان کے والد سید شاکر حسین ثاقب بھی شاعر تھے۔ وہ تقسیم ہند کے وقت ہجرت کر کے پاکستان گئے تھے۔ پروین بچپن سے ہی ذہین طالبہ تھیں۔ انہوں نے ۱۹۷۲ء میں جامعہ کراچی سے انگلش لٹریچر میں ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ انہوں نے لسانیات میں بھی ایم۔ اے کیا تھا۔ ہارورڈ یونیورسٹی سے ایم۔ بی۔ اے کی ڈگری حاصل کرنے کے ساتھ مینجمنٹ انفارمیشن کا کورس بھی کیا۔ کچھ دنوں تک درس و تدریس کے پیشے سے جڑی رہیں، پھر سول سروس کے امتحان میں کامیاب ہو کر محکمہ کسٹمز سے وابستہ ہو گئیں۔ بعد میں ڈپٹی کلکٹر کے عہدے پر فائز ہوئیں۔ ان کی ازدواجی زندگی خوش گوار نہیں تھی، اس لیے انھوں نے اپنے شوہر ڈاکٹر نصیر احمد سے طلاق لے لی تھا۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۹۴ء کو دفتر جاتے ہوئے ان کی کار ایک بس سے ٹکرا کر حادثے کا شکار ہو گئی، جس میں ان کی موت ہو گئی۔ وہ اپنی شاعری کے علاوہ اپنا بیٹا سید مراد علی یادگار چھوڑ گئیں۔

پروین شاکر کے والد خود ایک معتبر اور باکمال شاعر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی پرورش شاعرانہ ماحول میں ہوئی۔ پروین نے شاعری کا آغاز ۱۹۶۸ء میں ۱۶ سال کی عمر میں اپنے کالج کے دنوں میں کیا۔ شروع میں ان کا تخلص بینا تھا۔ پروین شاکر کے ابتدائی کلام پر ان کے والد کے طرز سخن کا اثر ملتا ہے۔ ان کے والد کو پروین کی شاعری پر ناز تھا اور وہ ان سے بہت خوش رہتے تھے۔ شروع میں وہ اپنے نانا سے شاعری کی اصلاح لیتی تھیں۔ ان کے ادبی ذوق کو بلندیاں عطا کرنے میں ان کے سرپرست احمد ندیم قاسمی نے بہت بڑا رول ادا کیا۔ پروین اردو کے علاوہ عربی، فارسی، فرنچ، انگریزی زبانوں میں بھی ماہر تھیں۔ وہ اپنی شاعری میں ان سبھی زبانوں کے الفاظ کا استعمال کرتی تھیں۔

۲۴ نومبر ۱۹۵۲ء سے ۲۶ دسمبر ۱۹۹۴ء تک زندگی کے مختصر سفر میں پروین شاکر نے شعور اور احساس و جذبات کا طویل سفر طے کیا اور اپنی تخلیقات ادبی دنیا کی نذر کر گئیں۔ جب ان کی پہلی کتاب ''خوشبو'' شائع ہوئی تو وہ صرف ۲۵ برس کی تھیں۔ انہیں بہت سارے انعامات کے ساتھ ساتھ پاکستان کے سب سے بڑے اوارڈ ''پرائڈ آف پرفارمنس ایوارڈ'' سے نوازا گیا۔ پروین شاکر اپنے منفرد لب و لہجہ، اندازِ بیان اور فکری رجحانات کی وجہ سے اپنی ہم عصر شاعرات سے مختلف ہیں۔ وہ اردو شاعری کی ایک منفرد شاعرہ ہیں۔ ان کا تعلق عہدِ جدید سے ہے۔ پروین شاکر کے پانچ شعری مجموعے مندرج ذیل ہیں:

(۱) خوشبو ۱۹۷۶ء

(۲) صد برگ ۱۹۸۰ء
(۳) خود کلامی ۱۹۹۰ء
(۴) انکار ۱۹۹۰ء
(۵) کف آئینہ ۱۹۹۵ء
(۶) ماہ تمام (کلیات) ۱۹۹۴ء

22.3.2 پروین شاکر کی غزل گوئی

پروین شاکر کی غزل گوئی نے عہد حاضر کے ناقدین کو قدرے متاثر کیا۔ وہ جدید لب و لہجے کی ممتاز شاعرہ تھیں۔ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھیں اور ایک معزز سرکاری عہدے پر فائز تھیں۔ ان کی ذہانت اور علم دوستی کے سبھی قائل تھے۔ وہ اردو شاعری کی روایات سے واقف تھیں اور ساتھ ہی ساتھ انگریزی و دیگر زبانوں کی جدید شاعری پر بھی نظر رکھتی تھیں۔ اس وسیع النظری نے ان کی شاعری کے کینوس کو بڑا بنانے میں اہم رول ادا کیا۔ خدا نے انہیں عورتوں کے جذبات کے اظہار کے لیے شعر کہنے کی مہارت عطا کر رکھی تھی۔ وہ اپنی گفتگو میں مشکل اور بھاری بھرکم الفاظ کے استعمال سے پرہیز کرتی تھیں۔ نرم مزاجی ان کی سرشت میں شامل تھی، اس لیے وہ بہت دھیمے لہجے میں باتیں کرتی تھیں۔ ان کی پر اعتمادی کے اثرات ان کی غزل گوئی پر بھی مرتب ہوئے۔ جس طرح میرا بائی کے کلام میں ہمیں نسوانی عشقیہ شاعری کی بھرپور عکاسی ملتی ہے، اسی طرح ان کی غزل گوئی میں بھی عورت کے عشق کا رنگ ملتا ہے۔ ان کی غزلوں میں عشقیہ تجربات و جذبات کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ انھوں نے اپنی غزلوں میں اپنے دل کی باتیں پیش کی ہیں۔ انہوں نے غزلوں میں اپنے جذبات کی سچی تصویر پیش کی ہے۔ انھوں نے غزل اور نظم دونوں میں طبع آزمائی کی، لیکن وہ بنیادی طور پر غزل کی شاعرہ ہیں۔ غزل کے متعلق ان کا خیال ہے کہ:

> ''غزل تو امکانات کے معاملے میں اتنی مستحکم ہوگئی ہے کہ اس کے بارے میں زیادہ بحث کی گنجائش نہیں ہے۔ غزل نے ہر صدمہ سہا اس کے باوجود جانبر ہو کے رہی۔''

ان کی غزل گوئی کا اسلوب غنائی ہے۔ ان کے مستعمل استعارے، تشبیہات، اشارے، کنایے، ہندی الفاظ، موضوع اور ماحول کے مطابق جلال و جمال اور نزاکت ان کی غزلوں کو پر اثر بناتی ہے۔ ان کی غزلیہ شاعری میں عورت کے وجود سے منسلک تمام احساسات و جذبات کے ساتھ ساتھ مردوں کا استحصال بھی موضوع سخن ہوا ہے۔ وہ غزلوں میں اپنی بات کو ایسی آہستگی اور شائستگی سے نظم کرتی ہیں کہ وہ معنی خیز اور موثر بن جاتی ہے۔ مثلاً:

وہ مجھ کو چھوڑ کے جس آدمی کے پاس گیا
برابری کا بھی ہوتا تو صبر آ جاتا

لوٹا ہے وہ پچھلے موسموں کو
مجھ میں کسی رنگ کی کمی تھی

انھوں نے اپنی غزلوں میں عورت کو مرد کے مقابل کھڑا ہونے کا حوصلہ عطا کیا ہے۔ وہ اپنے کلام کے ذریعے

عورت میں پر اعتمادی پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہیں:

چلی ہے تھام کے بادل کے ہاتھ کو خوشبو
ہوا کے ساتھ سفر کا مقابلہ ٹھہرا

انھوں نے غزلوں میں عورت کے المیے کو علامت بنا کر سماج کے مسائل کو پیش کیا ہے۔ ان کی غزلوں میں ان کے نازک اور خوبصورت خیالات کی پیش کش نے اردو غزل کے دامن کو وسعت اور نئی جہت بخشی ہے:

وہ میرے پاؤں کو چھونے جھکا تھا جس لمحے
جو مانگتا اسے دیتی امیر ایسی تھی

ان کی شاعری میں اگر چہ موضوعات میں کچھ نیا پن نہیں ہے، لیکن اسلوب بیان کے نئے پن اور جذبات کی شدت نے ان کے کلام کو دوسری شاعرات کے کلام سے منفرد کر کے قاری کے لیے سامان مسرت بنا دیا ہے۔ سچے نسائی جذبات واحساسات کے بجائے بالعموم شاعرات نے غزل کی پرانی روایت کو ہی اپنا لیا تھا، جب کہ پروین شاکر کا معاملہ عمومی شاعرہ سے مختلف ہے۔ انھوں نے نسوانی جذبات واحساسات کی ترجمانی کو بڑی فنی ہنر مندی سے شعر کے قالب میں ڈھال کر موثر بنا دیا۔ ان کی غزلوں کی اسی صفت کو مزید سمجھنے کے لیے مندرج ذیل اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''غزل کی دنیا میں پروین شاکر ایک عہد آفریں شاعرہ بن کر آئیں اور اپنی نسائی آواز، چونکا دینے والے اسلوب سے اردو شاعرات میں ہلچل مچا دی۔ پروین شاکر کی شاعری میں صنف نازک کی بے چارگی اور بے بسی کا ایسا درد بھرا ہوا ہے جو اس ہرنی کے انداز سے بھرا ہوا ہوتا ہے جو چاروں طرف سے شکاریوں سے گھر چکی اور بے چارگی اور بے بسی سے نتھنے کو رگڑ رہی ہو۔..... پروین شاکر کی غزلوں میں نسوانیت کی وہ چیخ چھپی ہوئی ہے جو ایک غیر مطمئن روح سے ابھری ہے، جو ایک طرف شاخ گل ہے تو دوسری طرف تلوار بھی ہے۔ انسانی سماج کی ایک عام عورت ہے جو رشتوں میں بندھی ہوئی ہے ایک ایسی شاخ گل ہے جس پر مرجھائے ہوئے باسی پھول لٹکے ہوئے ہیں۔ ازدواجی زندگی کی ناخوشی اور عدم توازن کے سبب ان غزلوں میں نسوانی جذبات کی حقیقی عکاسی تو ملتی ہے۔ لیکن ایسی عکاسی جو ایک با اختیار صاحب وسیلہ نسائیت کا عکس ہو، اس کے عہدے پر فائز ایک ایسی با اختیار تلوار کی جھنکار صاف سنائی دیتی ہے جس میں رزمیے کی نہیں مرثیے کی لے پائی جاتی ہے۔ جنس کی نا آسودہ تڑپ کا اظہار پایا جاتا ہے۔''

(اردو شاعری میر سے پروین شاکر تک، قاضی مشتاق احمد)

مذکورہ بیان کا واضح ثبوت ان کے مندرج ذیل اشعار میں دیکھا جا سکتا ہے:

جو بادلوں سے بھی مجھ کو چھپائے رکھتا تھا
بڑھی ہے دھوپ تو بے سائبان چھوڑ گیا

جگنو کو دن کے وقت پرکھنے کی ضد کریں
بچے ہمارے عہد کے چالاک ہو گئے

ہاتھ میرے بھول بیٹھے دستکیں دینے کا فن
بند مجھ پر جب سے اس کے گھر کا دروازہ ہوا

پروین کی شاعری میں ایک مجبور و بے بس لڑکی کے احساسات وجذبات کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔ وہ حوصلہ مند ہونے کے ساتھ اپنے آس پاس کے حالات سے بھی باخبر ہیں۔ ان کی غزلوں میں ایک والہانہ پن، شکوے شکایات اور ایک خود سپردگی بھی ہے۔ ان کا نرم، ملائم، لب ولہجہ متاثر کرنے والا ہے۔ ایک عجب شان اور بے نیازی سے وہ وصال وہجر کے قصے بیان کرتی ہیں۔ عشق میں ناکامی یا محبوب کی بے وفائی کو متانت کے ساتھ منظوم کرنے کا حوصلہ ہر شاعر میں نہیں ہوتا ہے۔ ان کی غزلوں میں عاشق کی بے وفایئوں پر زبردست طنز ملتا ہے۔ ان کی غزلوں میں حسن وعشق کا روایتی پس منظر ضرور نظر آتا ہے، لیکن اپنی ذہانت سے انھوں نے اس میں ایسی جدت پیدا کی ہے کہ وہ ہر دل کی صدا بن جاتی ہے۔ بحیثیت مجموعی پروین شاکر کی غزل گوئی اپنے انداز تخاطب، نسوائی بصیرت اور فنی چابک دستی کے باعث معاصرین شاعرات میں منفرد اور بلند مقام کی حامل ہے۔

22.3.3 متن کی تدریس وتفہیم

عزیز طلبا! آیئے اب ہم پروین شاکر کی شامل نصاب پہلی غزل کی قرأت کرتے ہیں:

(الف)

کو بہ کو پھیل گئی بات شناسائی کی
اس نے خوشبو کی طرح میری پذیرائی کی

کیسے کہہ دوں کہ مجھے چھوڑ دیا ہے اس نے
بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی

وہ کہیں بھی گیا لوٹا تو مرے پاس آیا
بس یہی بات ہے اچھی مرے ہرجائی کی

تیرا پہلو ترے دل کی طرح آباد رہے
تجھ پہ گزرے نہ قیامت شب تنہائی کی

اس نے جلتی ہوئی پیشانی پہ جب ہاتھ رکھا
روح تک آ گئی تاثیر مسیحائی کی

اب بھی برسات کی راتوں میں بدن ٹوٹتا ہے
جاگ اٹھتی ہیں عجب خواہشیں انگڑائی کی

عزیز طلبا! ابھی ہم نے مذکورہ جس غزل کو پڑھا ہے اس کی تشریح و توضیح مندرج ذیل ہے:

کو بہ کو پھیل گئی بات شناسائی کی

خوشبو کی طرح میری پذیرائی کی

پروین شاکر اپنی ہلکی پھلکی رومانوی شاعری کے لیے بھی شہرت رکھتی ہیں۔ مذکورہ بالا شعر میں ایک لطیف جذبے کو لطیف انداز میں پیش کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ میرے محبوب نے میری پذیرائی تو کی لیکن وہ پذیرائی خوشبو کی طرح تھی۔ خوشبو کی صفت پھیل جانے کی ہے۔ یعنی ہماری محبت کی کہانی ہر طرف پھیل گئی۔ ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے۔ خوشبو کی طرح پذیرائی کرنے میں کئی پہلو پوشیدہ ہیں۔ یعنی محبوب کو اپنے بارے میں یہ خوش فہمی ہے کہ وہ بہر حال خوشبو ہے۔ دوسری بات یہ کہ عاشق نے خوشبو سمجھ کر اپنایا ہے اور خوشبو کی صفت ہے ہواؤں میں پھیل جانا۔ اس لیے محبت کی یہ بات راز نہ رہ سکی اور چاروں جانب پھیل گئی۔

کیسے کہہ دوں کہ مجھے چھوڑ دیا ہے اس نے

بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی

یہ پروین شاکر کا بہت مشہور شعر ہے۔ تعلقات کی لاج رکھنے کے لیے کبھی کبھی ہم کو جھوٹ بھی بولنا پڑتا ہے۔ سچائی یہ ہے کہ اس نے ترک تعلق کر لیا ہے لیکن یہ بات زمانے کو کیسے بتاؤں؟ کیوں کہ اس سے ہم دونوں کی رسوائی ہوگی۔ حالاں کہ یہ بات سچ ہے کہ اس نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے، لیکن یہ بات رسوائی کی ہے۔ ایک تذبذب کی حالت ہے۔ یعنی سچائی تو یہ ہے کہ محبوب نے ساتھ چھوڑ دیا ہے، لیکن زمانے میں رسوائی نہ ہو اس خوف سے یہ بات زمانے سے چھپانی بھی ہے۔

وہ کہیں بھی گیا لوٹا تو مرے پاس آیا

بس یہی بات ہے اچھی مرے ہرجائی کی

اس شعر میں لفظ ہرجائی کا بہت خوبصورت استعمال ہوا ہے۔ علامہ اقبال نے اپنی مشہور زمانہ نظم شکوہ میں اس لفظ ''ہرجائی'' کا بڑا خوبصورت استعمال کیا ہے۔ ''کبھی ہم سے کبھی غیروں سے شناسائی ہے۔ بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہرجائی ہے'' یہاں دو اہم پہلوؤں کو بیان کیا گیا ہے، پہلا پہلو یہ ہے کہ میرا محبوب بے وفائی کر کے بھی وفاداری کا عمل انجام دیتا ہے۔ اس پہلو میں مدح کے ساتھ ذم اور ذم کے ساتھ مدح کو پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ اس شعر میں منفی اور مثبت پہلو کے امتزاج سے انسانی جبلت کو خوبصورت انداز میں بیان کیا گیا۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ عاشق کو محبوب کی یہ ادا ناگوار نہیں معلوم ہوتی ہے، بلکہ اسے خوش گواری سے قبول کرتا ہے۔ کمال حسن یہ ہے کہ لفظ 'بس' میں متکلم نے محبوب کی ساری شکایتوں پنہاں کر دیا ہے۔

تیرا پہلو ترے دل کی طرح آباد رہے

تجھ پہ گزرے نہ قیامت شب تنہائی کی

اس شعر میں بہت خوبصورت انداز میں طنز کیا گیا ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دعا دی جارہی ہے، لیکن دراصل یہ اپنے بے وفا محبوب کے لیے طنز ہے۔ یہاں شب تنہائی کو قیامت سے تشبیہ بھی دی گئی ہے۔

اس نے جلتی ہوئی پیشانی پہ جب ہاتھ رکھا
روح تک آ گئی تاثیر مسیحائی کی

محبوب کو مسیحا اور چارہ گر بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی محبوب اپنے عاشق کا علاج بھی کرتا ہے اور وہ اس کے مردہ جسم میں جان بھی ڈال دیتا ہے۔ اس شعر میں صنعت تلمیح کا استعمال ہوا ہے۔ حضرت عیسیٰ کو اردو شاعری میں کبھی عیسیٰ تو کبھی ابن مریم اور کبھی مسیحا کے ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ لفظ مسیح کے کئی معنی ہیں جن میں ایک ہے 'ہاتھ پھیرنے والا' یعنی وہ مریضوں پر ہاتھ پھیر کر خدا کے حکم سے انھیں شفایاب کر دیتے تھے۔ خواجہ حیدر علی آتش نے اسی پس منظر میں یہ شعر کہا تھا۔ ''جدھر جاتے ہو ہر گھر میں سے یہ آواز آتی ہے - مسیحا ہو جو بیماروں کو دم بھر دیکھتے جاؤ''

اب بھی برسات کی راتوں میں بدن ٹوٹتا ہے
جاگ اٹھتی ہیں عجب خواہشیں انگڑائی کی

برسات کی راتوں میں بدن ٹوٹنا اور انگڑائی کی خواہشوں کا جاگ جانا ایک فطری عمل ہے۔ پروین شاکر کی شاعری میں لذت وصل کا ذکر اگر چہ بہت کم ہے، لیکن کہیں کہیں بہت لطیف پیرائے میں لذت وصل کا ذکر ملتا ہے۔

عزیز طلبا! آیئے اب ہم پروین شاکر کی شامل نصاب دوسری غزل کی قرأت کرتے ہیں:

(ب)

گئے موسم میں جو کھلتے تھے گلابوں کی طرح
دل پہ اتریں گے وہی خواب عذابوں کی طرح

راکھ کے ڈھیر پہ اب رات بسر کرنی ہے
جل چکے ہیں مرے خیمے مرے خوابوں کی طرح

وہ سمندر ہے تو پھر روح کو شاداب کرے
تشنگی کیوں مجھے دیتا ہے سرابوں کی طرح

غیر ممکن ہے ترے گھر کے گلابوں کا شمار
میرے رِستے ہوئے زخموں کے حسابوں کی طرح

یاد تو ہوں گی وہ باتیں تجھے اب بھی لیکن
شیلف میں رکھی ہوئی بند کتابوں کی طرح

کون جانے کہ نئے سال میں تو کس کو پڑھے
تیرا معیار بدلتا ہے نصابوں کی طرح

ہجر کی شب مری تنہائی پہ دستک دے گی
تیری خوشبو مرے کھوئے ہوئے خوابوں کی طرح

عزیز طلبا! ابھی ہم نے مذکورہ جس غزل کو پڑھا ہے اس کی تشریح و توضیح مندرج ذیل ہے:

گئے موسم میں جو کھلتے تھے گلابوں کی طرح
دل پہ اتریں گے وہی خواب عذابوں کی طرح

گلابوں کی طرح کھلنے اور عذابوں کی طرح اترنے میں ایک خاص ربط ہے۔ موسم، گلاب، خواب اور عذاب جیسے لفظوں سے پروین شاکر نے اس شعر کو حسین تر کر دیا ہے۔ شاعری میں مرصع سازی کی بھی اپنی اہمیت ہے۔

راکھ کے ڈھیر پہ اب رات بسر کرنی ہے
جل چکے ہیں مرے خیمے مرے خوابوں کی طرح

اس شعر میں ایک بے بسی کی کیفیت ہے۔ یعنی خیمے بھی جل چکے ہیں اور خواب بھی جل چکے ہیں۔ خوابوں کی تعبیر نہ ملنا یا خوابوں کا پورا نہ ہونا ایک الگ بات ہے، لیکن خیمے کی طرح ہی خوابوں کا جل جانا ایک نئی بات ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ جب خواب اور خیمے دونوں جل چکے ہوں تو رات راکھ کے ڈھیر پہ بسر ہوگی۔ خیمے کا جل جانا، واقعات کربلا کی جانب ایک اشارہ بھی ہے۔ پروین شاکر کی شاعری میں جا بجا واقعات کربلا کا ذکر ملتا ہے۔

وہ سمندر ہے تو پھر روح کو شاداب کرے
تشنگی کیوں مجھے دیتا ہے سرابوں کی طرح

سمندر اور تشنگی کے مضمون کو مختلف شعرا نے اپنے انداز سے شعر کے قالب میں ڈھالا ہے۔ علامہ اقبال نے کہا تھا ''سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم - بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے۔'' مذکورہ شعر میں پروین شاکر بھی شکایت کرتی ہیں کہ اگر وہ سمندر ہے تو پھر مجھے سیراب کرے۔ مصرعۂ ثانی میں سراب کا ذکر ہے۔ سراب سے پیاس نہیں بجھائی جاسکتی ہے۔ سرابوں سے تشنگی ہی ملتی ہے۔ لیکن وہ تو سمندر ہے، پھر کیوں وہ مجھے سرابوں کی طرح تشنگی دیتا ہے۔

غیر ممکن ہے ترے گھر کے گلابوں کا شمار
میرے رِستے ہوئے زخموں کے حسابوں کی طرح

اس شعر میں بھی بڑے خوبصورت انداز میں طنز کیا گیا ہے۔ عاشق اپنے محبوب سے کہتا ہے کہ تیرے گھر میں ہر طرف گلاب کھلے ہوئے ہیں ۔ ان گلابوں کا شمار بھی ممکن نہیں ہے۔ ٹھیک اسی طرح جیسے میرے رستے ہوئے زخموں کا حساب ممکن نہیں ہے۔ ایک طرف معشوق کا گھر گلابوں سے بھرا ہوا ہے یعنی خوشی، شادمانی اور خوشبو بکھری ہوئی ہے۔ دوسری طرف عاشق زخموں سے چور ہے۔ مذکورہ بالا شعر کے دونوں مصروں میں دو الگ الگ کیفیتوں

کا ذکر ہوا ہے۔لیکن دونوں طرف فراوانی ہے جس کا شمار ممکن نہیں ہے۔

یاد تو ہوں گی وہ باتیں تجھے اب بھی لیکن
شیلف میں رکھی ہوئی بند کتابوں کی طرح

عشق میں اکثر یاد رکھنے اور بھول جانے کی شکایات کی جاتی ہیں۔مومن خاں مومن کی طرح دیگر شعرا نے بھی 'تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو' والی کیفیت کا ذکر کیا ہے۔عاشق اور محبوب کے درمیان جو خوبصورت باتیں ہوئی تھیں ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاعر نے کہا ہے کہ وہ باتیں تجھے اب بھی یاد تو ہوں گی لیکن شیلف میں رکھی ہوئی بند کتابوں کی طرح یاد ہوں گی۔یعنی جس طرح شیلف میں رکھی ان کتابوں کو اب کھول کر نہیں پڑھتے ،اسی طرح اب ان باتوں کو بھی اب یاد نہیں کرتے۔

کون جانے کہ نئے سال میں تو کس کو پڑھے
تیرا معیار بدلتا ہے نصابوں کی طرح

اس شعر میں محبوب کی بے وفائی کا ذکر ایک نئے انداز میں کیا گیا ہے۔مصرعۂ اول کو جواز فراہم کرنے کے لیے مصرعۂ ثانی میں بہت خوبصورت اور نادر مثال پیش کی گئی ہے۔جس طرح اسکول کے نصاب میں ہر سال کچھ تبدیلی ہوتی رہتی ہے اسی طرح معشوق بھی اپنا معیار انتخاب بدلتا رہتا ہے۔عاشق اپنے محبوب کو مخاطب کرتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہتا ہے کہ نہ جانے نئے سال میں تو کس کو پڑھے یعنی کون تمہاری نظر التفات کا حامل ہو، یہ طے نہیں ہے، کیوں کہ تمہارا معیار اسکول کے نصاب کی طرح بدلتا رہتا ہے۔

ہجر کی شب مری تنہائی پہ دستک دے گی
تیری خوشبو مرے کھوئے ہوئے خوابوں کی طرح

عشق میں ہجر اور وصال کی باتیں نہ ہوں یہ ممکن نہیں ہے۔ہجر کی رات میں تنہائی تو ہوگی لیکن عاشق کی خوشبو اس تنہائی پر دستک دے گی۔ہجر کی رات میں کھوئے ہوئے خواب بھی دستک دیتے ہیں اور وہ خوشبو بھی جو کبھی دونوں کے درمیان رچی بسی تھی۔

22.4 آپ نے کیا سیکھا؟

عزیز طلبا! اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے:

- پروین شاکر کے حالاتِ زندگی اور ان کی ادبی خدمات سے واقفیت حاصل کی۔
- پروین شاکر کی غزل گوئی اور ان کے کلام کی خصوصیات و امتیازات کو جانا۔
- پروین شاکر کی غزل گوئی کی قدر و قیمت کو سمجھا۔
- پروین شاکر کی شامل نصاب دو غزلوں کی قرأت سیکھی۔
- پروین شاکر کی شامل نصاب غزلوں کی تشریحات سمجھیں۔

22.5 اپنا امتحان خود لیجیے

۱۔ پروین شاکر کب اور کہاں پیدا ہوئیں؟

۲۔ پروین شاکر کی موت کب اور کیسے واقع ہوئی؟

۳۔ پروین شاکر کے شعری مجموعوں کے نام لکھیے۔

۴۔ پروین شاکر کا کلیات کس نام سے اور کس سن میں شائع ہوا؟

۵۔ پروین شاکر کی شامل نصاب پہلی غزل کے مطلع کی تشریح کیجیے۔

22.6 سوالوں کے جوابات

۱۔ پروین شاکر ۲۴ نومبر ۱۹۵۲ء کو کراچی، پاکستان میں پیدا ہوئی تھیں۔

۲۔ دسمبر ۱۹۹۴ء کو دفتر جاتے ہوئے ان کی کار ایک بس سے ٹکرا کر حادثے کا شکار ہوگئی تھی، جس سے ان کی موت ہوگئی۔

۳۔ خوشبو (۱۹۷۶ء)، صد برگ (۱۹۸۰ء)، خود کلامی (۱۹۹۰ء)، انکار (۱۹۹۰ء)، کف آئینہ (۱۹۹۵ء)

۴۔ پروین شاکر کا کلیات ''ماہ تمام'' کے نام سے ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا۔

۵۔

کو بہ کو پھیل گئی بات شناسائی کی
اس نے خوشبو کی طرح میری پذیرائی کی

پروین شاکر اپنی ہلکی پھلکی رومانوی شاعری کے لیے بھی شہرت رکھتی ہیں۔ مذکورہ بالا شعر میں ایک لطیف جذبے کو لطیف انداز میں پیش کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ میرے محبوب نے میری پذیرائی تو کی لیکن وہ پذیرائی خوشبو کی طرح تھی۔ خوشبو کی صفت پھیل جانے کی ہے۔ یعنی ہماری محبت کی کہانی ہر طرف پھیل گئی۔ ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے۔ خوشبو کی طرح پذیرائی کرنے میں کئی پہلو پوشیدہ ہیں۔ یعنی محبوب کو اپنے بارے میں یہ خوش فہمی ہے کہ وہ بہر حال خوشبو ہے۔ دوسری بات یہ کہ عاشق نے خوشبو سمجھ کر اپنایا ہے اور خوشبو کی صفت ہے ہواؤں میں پھیل جانا۔ اس لیے محبت کی یہ بات راز نہ رہ سکی اور چاروں جانب پھیل گئی۔

22.7 فرہنگ

(الفاظ)		(معنی)
نمائندہ	:	ترجمان
پذیرائی	:	قبولیت، پسندیدگی

عارض	:	گال
حجاب	:	شرم، پردہ
گلنار	:	سرخ رنگ والا
رسوائی	:	بدنامی
شناسائی	:	جان پہچان، دوستی
کوبہ کو	:	گلی گلی، ہر طرف
مسیحائی	:	حیات بخشی، ہمدردی
ساعت	:	وقت، گھڑی، لمحہ
خیمہ	:	تنبو، ڈیرہ، پنڈال

22.8 کتب برائے مطالعہ

۱۔ ماہِ تمام (کلیات) : پروین شاکر

۳۔ جدید شاعرات اردو: نئی فکر اور نئے راستے : ڈاکٹر طاہرہ پروین

۴۔ پروین شاکر (مونوگراف) (اردو رائٹرز گلڈ، الہ باد) : ساحل احمد

۵۔ پروین شاکر کی شاعری : ڈاکٹر محمد تنویر

۶۔ اردو شاعری کی ماہِ تمام : ڈاکٹر روبینہ شبنم

۲۔ پاکستان میں اردو شاعری : علیم صبا نویدی

NOTE

ignou
THE PEOPLE'S
UNIVERSITY